ہم کرکٹ کے علاوہ تمام کھیلوں میں ناکارہ ہو چکے ہیں؟

تحریر: سہیل احمد لون

ان دنوں پاکستانی کرکٹ ٹیم برطانیہ کے دورے پر ہے جہاں وہ ٹیسٹ، ون ڈے اور T20 کے میچز کھیلے گی۔ سپاٹ فکسنگ سکینڈل کے بعد اب کھلاڑیوں اور ٹیم آفیشلز سے عام ملاقاتیں ہونا ذرا مشکل کام ہو گیا ہے مگر صحافی برادری کو کھلاڑیوں تک رسائی میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی۔ کہنے کو ہاکی ہمارا قومی کھیل ہے مگر لوگوں کا رجحان دیکھ کر کرکٹ عوامی کھیل لگتا ہے شاید یہی وجہ ہے کہ میڈیا سمیت عوام میں کرکٹ کے علاوہ کسی اور کھیل یا کھلاڑی میں کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ کرکٹ کے علاوہ دیگر کھیلوں پر نہ ہی حکومت نہ کبھی کوئی خاص توجہ دی ہے اور نہ ہی میڈیا نے دیگر کھیلوں اور کھلاڑیوں کو سٹارز کا درجہ دیکر عوام کے سامنے پیش کیا ہے۔ چند روز قبل لندن میں ومبلڈن ٹینس ٹورنامنٹ اختتام پزیز ہوا جس میں اعصام الحق نے بھی حصہ لیا مگر ہمارے دیسی میڈیا نے ان کو کوئی خاص لفٹ نہ کروائی۔ اعصام الحق واحد پاکستانی ٹینس پلیئر ہے جو یو ایس اوپن کے ڈبلز کے فائنل تک پہنچا اس کے علاوہ بھی اس کی دیگر گرینڈ سلام ٹوزنامنٹس میں بہت حوصلہ افزاء کارکردگی رہی ہے۔ ٹینس میں اچھا ریکارڈ ہونے کے ساتھ اس کی اپنی شخصیت بھی کافی پر وقار ہے کیونکہ وہ کرکٹر نہیں اس لیے اسے نہ تو میڈیا اپنے پروگرامز میں مدعو کرتا ہے اور نہ ہی اشتہاری کمپنیاں اسے خاطر میں لاتی ہیں۔ قومی کھیل ہاکی کے ساتھ بھی میڈیا نے ہمیشہ سوتیلوں جیسا سلوک کیا ہے۔ ہاکی کے کھلاڑیوں کو مراعات بھی کم دی جاتی ہیں۔ 2006ء میں فرینک فورٹ سے لاہور جا رہا تھا تو اسی فلائٹ پر پاکستان کی ہاکی ٹیم بھی عالمی کپ میں آٹھویں پوزیشن حاصل کر کے واپس جا رہی تھی۔ میرے ساتھ ریحان بٹ اور سہیل عباس بیٹھے تھے جن سے دوران سفر کافی بات چیت ہوئی۔ صرف کوچ شہناز شیخ بزنس کلاس میں تھے باقی سب کھلاڑی اکانومی کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ دوران سفر دیگر مسافروں سمیت ایئر ہوسٹس نے بھی ان کو خاص لفٹ نہ کروائی۔ مگر کرکٹرز کو بزنس کلاس میں اچھی سہولیات میسر ہوتی ہیں اور چاہے وہ بری طرح ہار کر آئیں ان کو ایئرپورٹ سے لینے کا انتظام موجود ہوتا ہے جبکہ ہاکی ٹیم کو میں نے لاہور ایئرپورٹ پر کھجل خوار ہو کر کھلاڑیوں کو اپنے اپنے گاؤں جانے کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اگر کرکٹ کا ہاکی سے موازنہ کیا جائے تو پندرہ برس سے زوال پزیر ہونے کے باوجود آج بھی ہاکی کی فتوحات کرکٹ سے زیادہ ہیں۔ اس وقت ہاکی میں عالمی رینکنگ دسویں ہے جبکہ کرکٹ میں ون ڈے میں رینکنگ نویں ہے۔ پاکستان نے تین اولمپکس میں سونے کے تمغے حاصل کرنے کے علاوہ ریکارڈ چار مرتبہ عالمی کپ جیتا جسے آج تک کوئی ٹیم توڑ نہیں سکی۔ آخری عالمی کپ 1994ء میں شہباز احمد کی قیادت میں جیتا تھا۔ شہباز احمد کا ہاکی میں وہی مقام ہے جو میراڈونا کو فٹبال میں ہے میراڈونا کی طرح اپنی ذاتی کارکردگی سے 1986ء کا عالمی کپ جتوایا۔ دنیا میں سب سے زیادہ گول 348 کرنے والے سہیل عباس بھی میڈیا کی نظروں میں نہ آئے۔ فٹبال کے بعد باکسنگ دنیا میں سب سے زیادہ مشہور کھیل ہے جس میں محمد علی جیسے عظیم باکسر بھی دنیا کو دیکھنے کو ملے مگر اس کھیل کے ساتھ بھی ناروا سلوک کیا گیا۔ 1988ء کے سیئول اولمپکس میں کانسی کا تمغہ جیتنے والے کراچی کے باکسر حسین شاہ کو ایسا نظر انداز کیا گیا کہ وہ دل برداشتہ ہو کر ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ خصوصاً لیاری میں باکسنگ اور ہاکی کا

بہت ٹیلنٹ موجود ہے مگر مناسب توجہ نہ دینے کی وجہ سے وہاں کے نوجوان اپنی توانائی منفی کاموں میں لگا کر گینگ بنانے میں مصروف ہیں۔ دہشت گردی کا لیبل تو کچھ عرصہ ہوا ہم پر چسپاں ہوا کبھی ایسا وقت بھی تھا جب سکوائش کے کھیل سے پاکستان کی پہچان ہوا کرتی تھی۔ روشن خان اور ہاشم خان نے ورلڈ اوپن جیتے تو پاکستان کا نام ان ممالک میں مشہور ہوا جہاں سکوائش کھیلی یا دیکھی جاتی تھی۔ جہانگیر خان اور جان شیر خان نے تقریباً پچیس برس سکوائش کی دنیا پر حکمرانی کی۔ جہانگیر خان نے 6 ورلڈ اوپن اور 10 مرتبہ برٹش اوپن جیتنے کا اعزاز حاصل کیا اس کے علاوہ 55 میچز لگاتار جیتنے کا عالمی ریکارڈ بھی بنا ڈالا جو آج تک کوئی نہ توڑ سکا۔ جان شیر خان نے 99 ٹائیٹل اپنے نام کیے جن میں 8 ورلڈ اوپن اور 6 برٹش اوپن ہیں۔ میڈیا اور حکومت کی عدم توجہ سے عوام میں یہ کھیل بھی کرکٹ نہ بن سکا اور جان شیر اور جہانگیر خان کے ادوار ختم ہونے کے بعد پاکستان سے سکوائش کا سورج بھی غروب ہوگیا۔ ریسلنگ بھی جھارا پہلوان کی وفات کے ساتھ ہی دفن ہوگئی شاید مہنگائی کے دور میں دو وقت کی روٹی میسر آنا ممکن نہیں رہا تو پہلوانی کے شوق میں غیر معمولی خوراک کوئی کہاں سے پوری کرے۔ کچھ عرصہ قبل سوشل میڈیا پر ایک نوجوان باڈی بلڈر سلمان احمد نے پنجاب حکومت کو کھری کھری سنائیں مگر پھر بھی اس کی کسی نے نہ سنی تو وہ اپنے اخراجات پر امریکہ میں منعقد ہونے والے تن سازی کے عالمی مقابلے میں حصہ لینے پہنچ گیا جب سلمان احمد Mr musclemania کا ٹائیٹل جیت کر وطن واپس لوٹا تو محض بریکنگ نیوز اور ریٹنگ کے لیے اس کا استقبال اور انٹرویو دکھا دیا گیا مگر اس کے بعد کبھی اس کا حال نہ پوچھا گیا۔ محمد یوسف نے 1994ء کا سنو کر عالمی چیمپئین بننے کا اعزاز حاصل کیا مگر اس کھیل اور کھلاڑی پر بھی کوئی شفقت نہ برتی گئی اس کے باوجود 2012ء میں فیصل آباد کے ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھنے والے محمد آصف نے اپنے دوستوں اور محلے داروں کی مدد سے عالمی کپ میں شرکت کرنے کا خواب پورا کی۔ جب وہ چیمپئین بن کر وطن لوٹا تو اس کا پرتپاک استقبال کیا گیا اور حکومت کی طرف سے انعام وکرام کے وعدے بھی کیے گئے اور اس کھیل کو فروغ دینے کا عندیہ بھی دیا گیا مگر تمام وعدے سیاسی ہی نکلے۔ باسکٹ بال، کبڈی، بیس بال، ٹیبل ٹینس، والی بال، تیراکی، بیڈمنٹن، سائیکلنگ جیسے کئی کھیل ہیں جن میں ابھی تک کوئی بڑا ٹائٹل حاصل نہیں کیا مگر اپنی مدد آپ کے تحت لوگ کھیل رہے ہیں۔ کرکٹ تو صرف چند ممالک میں کھیلی اور دیکھی جاتی ہے مگر وہ کھیل جو دنیا میں زیادہ مقبول ہیں اگر ان پر کرکٹ کی طرح شفقت بھرا سلوک کیا جائے تو ہمارے ملک میں اتنا ٹیلنٹ موجود ہے کہ ہر کھیل میں شہباز احمد، حسن سردار، عمران خان، وسیم اکرم، جان شیر خان، جہانگیر خان، حسین شاہ، اعصام الحق، جھارا، سلمان احمد، محمد یوسف اور محمد آصف جیسے ورلڈ کلاس پلیئر نکل سکتے ہیں۔ نشریات رمضان کی ہوں یا عید کی، مارننگ شو ہو یا ٹاک شو..... میڈیا کرکٹر کے علاوہ کسی اور کھلاڑی کو بھی سکرین پر موقع دے تو اسے دیکھ کر نوجوان نسل میں کرکٹ کے علاوہ کوئی اور کھیل اور کھلاڑی بننے کا جذبہ بھی بیدار ہوسکتا ہے۔ کرکٹر ریٹارمنٹ کے بعد بھی اپنی روٹی روزی کمانے کے لیے میڈیا، کرکٹ کے اداروں میں نوکری ڈھونڈ لیتے ہیں مگر باقی کھیل اور کھلاڑی امتیازی سلوک کی بھینٹ چڑھ کر ریٹارمنٹ سے قبل ہی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کاش! میاں صاحب فرسٹ کلاس کرکٹ کی بجائے کوئی اور کھیل کھیلے ہوتے تو شاید نجم سیٹھی کسی اور کھیل میں بہتری لا چکے ہوتے۔ کرکٹ سے ہٹ کر اگر دیگر کھیلوں میں توجہ دی ہوتی تو شاید بھارت کی کرکٹ میں اجارہ داری کا ہم پر کوئی اثر نہ ہوتا لیکن شاید ہم پر اب کوئی بھی اثر نہیں ہوتا کیونکہ بہت سی

نوآبادیاتی لعنتوں کی طرح کرکٹ بھی ہمیں وارثت میں ملی اور ہم نے اپنی حقیقی وارثتوں سے بھی دستبرداری اختیار کرلی اور آج ہم کرکٹ کے علاوہ کسی کھیل میں بھی نہیں جانے جاتے!

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

13-07-2016